عالمگیریت: مستقبل کے تناظر میں

پروفیسر ڈاکٹر انیس احمد

دور جدید کے تحائف میں سے ایک تحفہ معاشی، سیاسی اور عسکری عالمگیریت ہے، جسے مثبت اور منفی، ہر دو زاویوں سے دیکھا اور پرکھا جا رہا ہے۔ عالمگیریت کی تائید میں یہ دلیل بالعموم دی جاتی ہے کہ ذرائع رسل و رسائل میں تیز رو ترقی کے نتیجہ میں آج دنیا ایک گاؤں میں تبدیل ہو چکی ہے جس میں معلومات کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر پلک جھپکتے دنیا کے ایک گوشے میں ہونے والے واقعات کی اطلاع دوسرے کونے تک نشر کر دیتا ہے اور ہر لمحہ ہماری معلومات میں نا قابل یقین حد تک اضافہ کا باعث بن رہا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہر چھ ماہ میں اس ابلاغی اور معلوماتی سیلاب کے نتیجے میں ہماری معلومات میں آٹھ گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ عالمگیریت کی اس برکت سے صحیح استفادہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے جب تحقیقی اور ایجادی ادارے اس ذخیرہ معلومات کا صحیح تجزیہ، چھان بین اور تدوین کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں اور ہمہ وقت توجہ رکھنے والے ماہرین کی ایک جماعت اس کام میں مصروف رہے۔

جن ممالک میں بنیادی ضروریات زندگی کا حصول ایک مسئلہ بنا ہوا ہو اور جہاں پر معاشی بدحالی، سیاسی انتشار، اور قانونی بے ضابطگی روزمرہ کا معمول ہو ان کے لیے دور جدید کی اس نعمت سے استفادہ کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور نظر آتا ہے۔ نتیجتاً عالمگیریت کے طفیل ترقی یافتہ ممالک اور ترقی پذیر ممالک کی معاشی، معاشرتی، تعلیمی اور عسکری صلاحیت میں فرق اور فاصلے میں کمی کی جگہ نا قابل عبور خلیج میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہ فاصلہ اور فرق کسی لمحہ بھی ایک ایسے ٹکراؤ کی شکل اختیار کر سکتا ہے جس میں وہ جو نان شبینہ سے بھی محروم ہیں وسائل سے مالا مال سامراجیت کے علمبردار ممالک اور اقوام

سے اپنی محرومی کے خراج کا مطالبہ کر بیٹھیں!

عالمگیریت کے اس سامراجی اور معاشی پھیلاؤ سے اصل فائدہ اُن ہی اقوام کو پہنچ رہا ہے جو ٹیکنالوجی میں دوسروں سے آگے ہیں۔ ابلاغ عامہ اور معلومات کے اس دور میں معاشی طور پر محروم اقوام کے احساس محرومی میں ہر لحہ اضافہ ہو رہا ہے اور یہ لاوا کسی بھی لحہ ایک خطرناک صورت حال اختیار کر سکتا ہے۔ اس خطرہ کا احساس مغربی مفکرین میں سے ان حضرات کو بخوبی ہے جو معروضی طور پر عالمی اور سیاسی اتار چڑھاؤ پر نگاہ رکھتے ہیں۔ جبکہ مغربی سامراجی طاقتیں اپنی قوت کے نشہ میں بالعموم اسی گمان میں مبتلا ہیں کہ وقتاً فوقتاً ترقی پذیر ممالک کو قرضوں یا جزوی امداد دے کر وہ اپنی بالادستی اور برتری کو برقرار اور محفوظ رکھ سکتی ہیں۔

عالمگیریت کے موضوع پر عموماً معاشی، سیاسی اور عسکری پہلوؤں سے تجزیاتی مطالعے سامنے آ رہے ہیں۔ عام طور پر ان جائزوں میں مستقبل کے بارے میں ایسے خدشات کا تذکرہ نظر آتا ہے جو عالمی توازن اور امن عالم کے لیے لحہ فکریہ فراہم کرتے ہیں یہ بات بڑی حد تک ایک سچائی کی شکل اختیار کر چکی ہے کہ ترقی پذیر ممالک کی دکھی انسانیت کو عالمگیریت کے فروغ سے عملاً کوئی فائدہ نہیں ہوا بلکہ اسکے دکھوں میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ معاشی اور معاشرتی تفریق سے مجموعی اخلاقی حالت بھی متاثر ہوئی ہے۔ ہماری نگاہ میں عالمگیریت کے زیر اثر اُبھرنے والے اخلاقی موضوعات و مسائل اپنی اہمیت کے لحاظ سے معاشی اور سیاسی مسائل سے کم اہم نہیں ہیں بلکہ اگر معروضی طور پر دیکھا جائے تو ترجیحات کے لحاظ سے عالمگیریت کے اخلاقی اثرات زیادہ توجہ اور سنجیدہ تجزیہ کے محتاج نظر آتے ہیں۔ اس تحریر میں ہم اسی پہلو پر زیادہ توجہ دیں گے۔ کیونکہ جدید انسان کے معاشی، سیاسی اور معاشرتی مسائل کا قریبی تعلق تصور اخلاق سے ہے بلکہ اپنے اخلاق، Ethics اور Morality کے تصور کی بنیاد پر ہی جدید انسان اپنی معیشت، سیاست اور معاشرت کی تشکیل کر سکتا ہے اور اس کے خود اختیار کردہ اخلاق کے انفرادی اور اجتماعی پیمانے ہی اسکی معاشی اور سیاسی حکمت عملی کے لیے بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

مغربی مفکرین و فلاسفہ عموماً اخلاق کے حوالہ سے Ethics اور Morality کی اصلاحات

استعمال کرتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ Ethics ان اصولوں اور کلیات کی طرف نشاندہی کرتی ہے جو کسی چیز کے اچھے یا بُرے ،حق یا باطل ،اورمحمود یا مردود ہونے کی طرف رہنمائی کرتے ہوں جبکہ Morality کو عملی پہلو، طرزِ عمل اور عادات واطوار سے وابستہ سمجھا جاتا ہے۔

اسلامی فکری روایت میں نظری اخلاق کے مقابلہ میں اخلاق کے عملی اور تطبیقی پہلو کی طرف زیادہ رجحان نظر آتا ہے، چنانچہ اخلاق سے مراد کسی فرد یا قوم کا وہ مجموعی عمل لیا جاتا ہے جس میں معروف و منکر اور حق اور باطل میں تمیز کرتے ہوئے عملی اور روزمرہ کے معاملات میں موقف اختیار کیا گیا ہو۔

مغربی فکر میں اخلاق کا ماخذ ومحور یا تو انفرادی پسند و ناپسند کو سمجھا جاتا ہے یا اجتماعی اور قومی مفاد کو۔ ہر دو صورتوں میں اخلاق کا قریبی تعلق کسی مقام کی معاشی اور معاشرتی ترقی سے وابستہ تصور کیا جاتا ہے چنانچہ یہ بات بطور ایک کلیہ کے تعین کر لی جاتی ہے کہ معاشی آلات کی تبدیلی اور معاشرتی ارتقاء کے ساتھ ساتھ اخلاقی اصول اور ضوابط میں بھی تبدیلی واقع ہوتی ہے اور ہر دور میں ایک نئی اخلاقیات وجود میں آتی ہے۔ چنانچہ دور جدید جسے سائنسی ترقی اور ابلاغ عامہ کی سرعت سے پہچانا جاتا ہے ایک نئے اخلاقی ضابطہ کا مطالبہ کرتا ہے جو اس دور کی معیشت و معاشرت کا تابع ہو۔ اگر تنقیدی نگاہ سے دیکھا جائے تو اخلاقیات کے اس تصور اور Utilitarian تصور اخلاق میں قریبی مماثلت ہے۔ چنانچہ اکثریت جس چیز کو اپنے لئے مفید سمجھے اسے اخلاقی عمل قرار دینا اور دور جدید کی سیکولر جمہوریت کی پہچان قرار دیا جاتا ہے، انفرادیت پسندی اور اجتماعی مفاد کے حصول کو اعلیٰ اخلاقی عمل قرار دینے اور عالمگیریت کے زیرِ عنوان نئی اخلاقیات کے تصورات میں قریبی فکری یگانگت اور اشتراک نظر آتا ہے۔

عالمگیریت نے جہاں معاشی سیاسی اور معاشرتی میدانوں میں یورپی فکر کے تصور حیات کو مبنی برحق اور حتمی قرار دیتے ہوئے دیگر اقوام پر مسلط کرنے کی حکمت عملی اختیار کی ہے وہاں اخلاق کے اضافی تصور کو عام کرنے پر بھی توجہ دی ہے۔ اخلاق کا اضافی تصور مغربی فکر اور ذہن کی خصوصی پیداوار ہے کیونکہ اس کے طفیل ایک فرد اور ایک قوم کو ہر من مانی کو اخلاق کی آڑ میں کر بیٹھنے کا جواز میسر آ جاتا

ہے۔عراق اور افغانستان پر مغربی سامراج اور خصوصاً امریکی سامراج نے جس دیدہ دلیری کے ساتھ عسکری تسلط کے لیے جارحیت کی اور اسکی یہ تعبیر کی کہ امریکہ جو کچھ جمہوریت کے نعرہ کے تحت کر رہا ہے اُسے ''جمہوری''، ''عادلانہ'' اور ''بہی خواہانہ'' عمل بھی سمجھا جائے۔ یہ مغربی اخلاق کے اضافی تصور ہی کا شاخسانہ ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا مغربی تصور اخلاق روایتی عیسائیت کے تصور تثلیث کی طرح ایک جدید تثلیث کا مظہر ہے۔اس جدید تثلیثیت میں انفرادیت پسندی(Individualism)، مادیت پرستی(Materialism) اور افادیت پسندی(Utilitarianism) نئی تثلیث کی تین بنیادی اکائیوں کا درجہ رکھتی ہیں۔اخلاق کا یہ اضافی تصور سامراجی ذہن کی پیداوار ہے اور سامراجی طاقتوں کی اپنی من مانی کرنے کے لیے بنیاد فراہم کرتا ہے۔چنانچہ اس تصور اخلاق کی بنا پر ہی یک قطبی طاقت نے محض ایک موہوم اندیشہ کو بنیاد بنا کر Pre-emptive strike کے نظریہ کے تحت عراق اور افغانستان اور اسکے بعد پاکستان کی شمالی حدود کو اپنے استعمار کا نشانہ بنانے کے لیے اخلاقی جواز بنایا۔

عالمگیریت کے زیر عنوان اضافی اخلاق کو فروغ اور سیاسی طور پر مستقل وجود رکھنے والے ممالک پر جبراً اس کا نفاذ، اخلاق وقانون کے ساتھ ایک گھناؤنا مذاق ہے۔لیکن عالمگیریت کا نعرہ اسے نہ صرف تحفظ فراہم کرتا ہے بلکہ اسے ایک اخلاقی عمل بھی قرار دیتا ہے۔ ہماری نگاہ میں کسی گناہ کا ارتکاب اور کسی گناہ کو ثواب سمجھتے ہوئے اس کا ارتکاب کرنا دو بالکل مختلف چیزیں ہیں اور عالمگیریت کا یہ پہلو ہی ہماری توجہ کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔

اگر اخلاقی ضابطہ اور اخلاقی طرز عمل ایک ایسا سیال مادہ ہے جو ہر دور اور ہر خطہ میں وہاں کے سانچوں کے مطابق شکل اختیار کر سکتا ہے تو پھر اسے اخلاق کہنا اخلاق کی تذلیل ہے۔اخلاقی اصول اپنی ماہیت وحقیقت کے لحاظ سے عالمگیر اصول ہوتے ہیں جو رنگ ونسل، مفاد اور ملک وقوم سے بلند ہو کر انسانیت کے لیے ایک قابل عمل مثال فراہم کرتے ہیں۔مغربی لادینی فکر میں بھی بعض ایسی اقدار کو تسلیم کیا جاتا ہے جن کے بغیر کوئی انسانی معاشرہ ترقی نہیں کر سکتا۔مثلاً سچائی اور حق کا اظہار، عدل کا

رویہ اختیار کرنا ایسی اقدار ہیں جن سے ایک صیہونی بھی انکار نہیں کرسکتا۔ لیکن حق کا پیمانہ کیا ہو، اور کیا ہر حال میں اپنی قوم یا ملک کو برحق ماننا ہی تقاضائے حق ہے، ایسا سوال ہے جس پر مزید غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اصولی طور پر تو ایک صیہونی ہو یا عیسائیت سے تائب لادینی ذہن کا امریکی صدر دونوں اس بات پر اتفاق کرینگے کہ ظلم اور جبر ناقابل معافی عمل ہیں۔ لیکن عمل کے میدان میں اگر ایک صیہونی، صدیوں سے تاریخی طور پر بیت المقدس میں بسنے والے مسلمانوں اور عیسائیوں کو گھر سے بے گھر کرنے اور انکے علاقوں کو ننگے جبر کے ذریعے اپنے قبضہ میں کر لینے کو اپنا حق قرار دیتا ہو اور اس گھناؤنے جرم کو نیکی تصور کرتا ہو تو کیا اسکی اس سوچ کو درست مانا جاسکتا ہے؟ کیا ہر قوم اور ملک اپنے ذاتی مفاد کی بنیاد پر جو طرز عمل اختیار کرے اسے اخلاقی عمل کہا جاسکتا ہے؟ یا مغربی اضافی اخلاقیات کے اصول کے پیش نظر ہر ظالم اور جابر کو جب وہ چاہے، اپنے مفاد کو بنیاد بنا کر کسی قوم کو نیست و نابود کرنے کا حق دے دیا جائے؟ یا اتفاق رائے سے کوئی ایسا ضابطۂ اخلاق وجود میں لایا جاسکتا ہے جو سب کے لیے قابل قبول ہو؟

عالمگیریت کے اخلاقی چیلنج کے حوالے سے اسی پہلو پر توجہ کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔ عالمگیریت کی معاشی، سیاسی اور عسکری دخل اندازی نے جس محسوس ٹکراؤ کو جنم دیا ہے، اسے صرف اسی صورت میں دور کیا جاسکتا ہے جب ایک نئے معاشی یا سیاسی استحصالی نظام کی جگہ ایک عالمی اخلاقی نظام کے لیے راہ ہموار کی جائے۔

مندرجہ بالا نکات سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اس عالمی اخلاقی انقلاب کی بنیاد اضافی اخلاقی تصور پر نہیں رکھی جاسکتی کیونکہ عالمی اخلاقی اقدار مطلق اور مستقل وجود رکھتی ہیں اور مغربی لادینی اخلاقیات زمان و مکان میں مقید و محدود ہے۔ آج دنیا اس مقام پر آگئی ہے جب اسے مستقبل کو تابناک بنانے کے لیے ایک ایسے اخلاقی نظام کی ضرورت ہے جس کی بنیاد پر وہ جو استحصال اور سامراج کا شکار رہے ہیں انسانی اور فطری عدل کا حصول کرسکیں۔

اسلام کی الہامی ہدایت اپنی معروضیت کی آفاقیت کی بنا پر یہ صلاحیت رکھتی ہے کہ وہ دکھی

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] (4:89 [illegible])
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]

عالمگیر حیثیت کے حامل ہیں اس لئے زمان و مکان کی قید سے بلند ہو کر ہر دور میں انسانوں کو عدل اجتماعی، اعلیٰ اخلاقی معاشی، معاشرتی اور سیاسی رویہ کے لیے رہنما اصول فراہم کرتے ہیں۔

مسلمان مفکرین بعض اوقات اپنی سادہ لوحی یا قرآن و سنت کی روح اور قرآن و سنت کے احکامات کی ماہیت اور عالمگیریت سے کم آگاہی کی بنا پر یہ رائے قائم کر لیتے ہیں کہ شریعت کے مخاطب صرف مسلمان ہیں۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ قرآن و سنت نے جو احکام و اصول دیئے ہیں ان میں سے ہر ہر تعلیم و اصول تمام انسانوں کی فلاح و ترقی کے لیے وہی حیثیت اور اہمیت رکھتا ہے جو ایک مسلمان کے لیے سمجھی جاتی ہے۔ ایک ظاہر کی مثال سے یہ بات واضح کی جا سکتی ہے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ قرآن و سنت کی شریعت میں نشہ آور اشیاء کو حرام و ممنوع قرار دیا گیا ہے فرض کیجیے ہم ایک اسلامی ریاست میں ہیں جہاں پندرہ فیصد آبادی غیر مسلموں کی ہے تو کیا اسلامی حکومت کے لیے یہ پالیسی بنانا اخلاقاً اور دستوراً درست ہوگا کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے نشہ آور اشیاء کا استعمال ان کے لیے ممنوع اور قابل دست اندازیٔ قانون ہے لیکن غیر مسلم اچھی طرح نشہ آور اشیاء کا استعمال کر کے کار چلا سکتے ہیں، سڑک پر اول فول بک کر جھگڑا اور فساد کر سکتے ہیں، اپنے اہل خانہ کو تشدد کا نشانہ بنا سکتے ہیں وغیرہ۔ یا کیا کسی اسلامی ریاست کے لیے یہ بات عقلاً درست ہوگی کہ وہ مسلمانوں کو قانوناً چوری سے روکے اور چور کا ہاتھ کاٹ دے لیکن غیر مسلموں کو بر بنائے غیر مسلم مستثنیٰ کرتے ہوئے کھلے عام چوری کرنے دے اور شرعی قانون انہیں دوسروں کے حق مارنے سے نہ روکے؟

حقیقت یہ ہے کہ شرعی قوانین کی بنیاد وہ عالمی اخلاقی اصول ہیں جو رنگ و نسل اور علاقائی اور زمانی قید سے بلند اور عالمگیر صداقت کے حامل ہیں ان میں نہ اخلاقی اضافیت ہے نہ افادہ پرستی اور نہ رنگ و نسل یا دین کی بنیاد پر تفریق۔ یہ انسانی فطرت اور انسانی صالحیت کی بنیاد پر انسانوں کے خالق نے اس لئے نازل کیے ہیں کہ ان میں تمام انسانوں کے لیے بھلائی اور نجات ہے۔

آج انسانیت مادہ پرستی، اخلاقی اضافیت، افادہ پرستی، اور نفسی نفسی کے نتیجہ میں جس مقام پر کھڑی ہے اس میں ایک نئے عالمی نظامِ اخلاق ہی کے ذریعہ ایسی تبدیلی لائی جا سکتی ہے جو معاشرتی

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible] (‌[illegible]) ,,[illegible]
[illegible]،، [illegible]

✠

[illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible]

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]